سماجی انصاف وفلاح (سیرتِ طیبہ کی عصری معنویت)

حافظ حامد حماد*

ڈاکٹر منیر اظہر*

Justice that is the backbone of any society for the survival and protection. Welfare, progress and peace is impossible to imagine without justice. Fairness and justice is the central point of the divine guidance laid for state, society and collective discipline as reveled:

يَا دَاوُودُ إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوَى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ

O Dawud (David)! Verily! We have placed you as a successor on earth, so judge you between men in truth (and justice) and follow not your desire for it will mislead you from the Path of Allah. Today, we face a number of social problems and the real reason for these problems is the absence of social justice. The Prophet ﷺ set the example of social justice and human equality in his words and actions. Furthermore his whole life consisted upon providing justice, humanity and respect for the vulnerable. In next pages it will be described the teachings of sharee'ah and Seerat-e-Taiba , which guide us to deal with challenges of contemporary society.

عدل وانصاف کسی بھی معاشرے کی بقا اور تحفظ کے لیے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے اور اس کے بغیر فلاح وبہبود اور ترقی وامن کا تصور بھی محال ہے۔ اللہ عزوجل نے ریاست، معاشرے اور اجتماعی نظم سے متعلق جو ہدایات نازل کیں ان میں عدل وانصاف کو مرکزی حیثیت حاصل ہے جیسا کہ فرمان الٰہی ہے: يَا دَاوُودُ إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوَى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ[1]

اے داود! ہم نے تمھیں زمین میں خلیفہ بنایا ہے، لہٰذا تم لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ حکومت کرو اور خواہش نفس کی پیروی نہ کرو۔

آج ہمیں بے شمار معاشرتی مسائل کا سامنا ہے اور اس کی اصل وجہ معاشرتی اور سماجی عدل وانصاف کا مفقود ہونا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول وفعل سے بہترین معاشرتی عدل، سماجی انصاف اور انسانی مساوات کی مثال قائم کی بلکہ آپ کی ساری زندگی مکی عہد سے لے کر مدنی عہد تک عدل وانصاف کی فراہمی، احترام انسانیت اور کمزور طبقات کی مدد سے عبارت تھی۔ اور آپ نے جس طرح کا انسانی معاشرہ قائم کیا وہ دنیا کا بہترین معاشرہ تھا اور اس کا ایک بنیادی وصف عدل وانصف کا قیام

* اسسٹنٹ پروفیسر، محمد نواز شریف یونیورسٹی آف انجینئرنگ اینڈ ٹیکنالوجی، ملتان۔

* اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، اسلامیہ یونیورسٹی، بہاولپور۔

تھا۔ آئندہ اوراق میں شریعت مطہرہ کی ان تعلیمات کی وضاحت اور سیرت طیبہ کے ان اقدامات کی نشاندہی کی جائے گی جن سے فلاح معاشرہ کے حوالے عصر حاضر کی تحدیات (چیلنجز) سے نمٹنے کے لیے راہنمائی ملتی ہو۔

فطرتی طور پر ہر شخص فلاح کا خواہش مند اور متلاشی ہوتا ہے اور اس فلاح کے حصول کے لیے وہ دوسروں کے ساتھ معاشرے کی صورت میں زندگی بسر کرتا ہے۔ افراد معاشرہ کا یہ رجحان ہوا کرتا ہے کہ وہ ایسا انتظام کریں کہ ہر فرد زیادہ سے زیادہ فلاح حاصل کر سکے۔ یعنی وہ فلاحی معاشرے کے قیام کے لیے کوشاں ہوتے ہیں۔ لہذا سب سے پہلے فلاح معاشرہ کے تصور پر گفتگو کی جاتی ہے۔

فلاح معاشرہ کے تصورات اور سماجی انصاف

سماجی انصاف سے مراد معاشرتی انصاف ہے۔ اگرچہ لفظی طور پر انصاف کا معنی نصف یعنی آدھا آدھا کرنا یا دو برابر حصوں میں تقسیم کرنا ہے تاہم یہاں انصاف سے مراد عدل ہے۔ عدل عربی زبان کا لفظ ہے اور لغوی طور پر عدل یہ برابری اور مساوات کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ [2] یہ مڑنے اور میانہ روی اختیار کرنے کا معنی بھی دیتا ہے اور تیر کو سیدھا کرنے کے معنی میں بھی اسے استعمال کیا جاتا ہے۔ [3]

اصطلاحی طور پر عدل کا مطلب ہے حق کے ساتھ فیصلہ کرنا یا حق پر فیصلہ کرنا۔ ہر چیز کو اس کا حق دینا اور اسے درست صحیح اور اصل مقام پر رکھنا، فیصلہ سازی میں حق کو مد نظر رکھنا اور خواہش کی طرف مائل نہ ہونا اور لوگوں کے مابین اس طرح فیصلہ کرنا کہ کسی کی حق تلفی نہ ہو، عدل ہے۔ اس کا متضاد ظلم ہے۔ یعنی جب فیصلہ میں خواہش کا عمل دخل ہو تو یہ حق تلفی کا موجب ہے۔ یہ معنی داودؑ کی خلافت کے بارے میں ارشاد الٰہی سے حاصل ہوتا ہے۔ فرمایا: اے داود! ہم نے تمھیں زمین میں اپنا خلافہ بنایا لہذا لوگوں کے مابین حق کے ساتھ فیصلہ کرنا اور خواہش کی پیروی نہ کرنا یہ تمھیں اللہ کے رستے سے بھٹکا دے گی۔ [4]

سماجی انصاف معنی و مفہوم اور عربی انگریزی مترادفات

سماج کو عربی زبان میں معاشرہ اور انگریزی میں Society کہتے ہیں۔ باہم مل جل کر رہنا اعتشر یا تعاشر القوم اور انگلش میں Social Mode of Living, A Social Community کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں۔ مغربی مفکرین نے اس کی تعریف اس طرح کی ہے کہ افراد کا ایسا گروہ معاشرہ ہے

جو لمبے عرصہ تک ایک جگہ رہنے کے بعد اشتراک عمل کی وجہ سے اس حد تک منظم ہو جائے کہ اس کے تمام افراد اپنے آپ کو ایک جسم کی مانند محسوس کریں۔

سماجی انصاف سے مراد سماج یا معاشرے کے افراد کو حقوق یا سہولیات دینے میں فرق نہ کرنا یعنی معاشرے میں بسنے والے تمام افراد کو یکساں حقوق حاصل ہوں۔ اس سلسلہ میں ادنی واعلی، رنگ و نسل، مذہب و مسلک اور قوم وغیرہ کا کوئی فرق نہ ہو اور قانون کی نظر میں سب برابر ہوں۔ دوسرے الفاظ میں ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ سماجی عدل یہ ہے کہ دولت کی منصفانہ تقسیم ہو اور ذاتی صلاحیتوں کے اجاگر کرنے اور معاشرتی فوائد حاصل کرنے کے مواقع سب کے مساوی طور پر حاصل ہوں۔

سماجی انصاف کے معنی کو ادا کرنے کے لیے سماجی یا معاشرتی عدل وانصاف یا عدل اجتماعی یا عربی میں العدالۃ الجتماعیۃ یا العدالاجتماعی یا انگلش میں Social Justice کے الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں۔ یہاں لفظ انصاف ظلم کی ضد ہے اور یہ افراط و تفریط کے درمیان کی راہ ہوتی ہے۔ جیسا کہ مشہور عربی مقولہ ہے: کلاطرفی الاعتدال ذمیم کہ افراط و تفریط دونوں مذموم ہیں۔ عدل کی یہی تعریف امام غزالیؒ سے منقول ہے:

فھو عبارۃ عن الامر المتوسط بین طرفی الافراط والتفریط۔[5]

افراط و تفریط کے درمیان کی راہ عدل ہے۔

عدل کے بہت سے اضافی معانی بھی ہیں۔ اضافی سے مراد مختلف نسبتوں اور اعتبارات سے مختلف معانی۔ مثلاً انسان کا دوسروں کے ساتھ تعلق مختلف انواع پر مشتمل ہوتا ہے جیسے انسان کا اپنے خالق اللہ سے تعلق، انسان کا دوسرے انسانوں کے ساتھ تعلق، انسان کا اپنے آپ سے تعلق وغیرہ۔ انسان اور اللہ کے مابین عدل یہ ہے کہ وہ اللہ کی رضا اور خوشنودی کو ترجیح دے اور اس کے احکامات پر عمل پیرا ہو اور اس کے نواہی سے اجتناب کرے وغیرہ۔ انسان کا اپنے آپ کے ساتھ عدل کرنے کا یہ معنی ہو گا کہ وہ اپنے آپ کو ایسی تمام چیزوں سے بچائے جو اس کو جسمانی، روحانی، ذہنی کسی بھی اعتبار سے ہلاکت کی طرف لے جائیں۔ دوسروں کے ساتھ تعلق کے حوالے سے عدل یہ ہے کہ ان کی خیر خواہی، بھلائی اور خیر اندیشی کا جذبہ رکھے اور ان سے خیانت نہ کرے وغیرہ۔ ابن العربیؒ نے اسی طرح کی تعریف کی ہے اور امام قرطبیؒ نے اس کو پسند کیا ہے۔ مغربی مفکرین سماجی انصاف کو اس طرح بیان کرتے ہیں:

The fair and proper administration of laws conforming to the natural law that all persons, irrespective of ethnic, gender, possession race, religion etc… are to be treated equally and without prejudice.[6]

یعنی معاشرے کے تمام طبقات کو یکساں حقوق حاصل ہوں اور ان میں اعلی وادنی، امیر وغریب، قوم قبیلہ، مسلک ومذہب کا فرق نہ کیا جائے۔

سماجی انصاف کی اہمیت:

عدل وانصاف کی اہمیت کسی سے مخفی نہیں اور سماجی انصاف عدل ہی کی ایک قسم ہے۔ اس کے مختلف پہلو ہم آئندہ سطور میں ذکر کریں گے۔

کسی بھی معاشرے کے تحفظ اور بقا کے لیے عدل انتہائی ناگزیر اور لابدی امر ہے۔ بقا اور ترقی منطقی طور پر امن کے ساتھ مشروط ہے اور امن قیام عدل کے ساتھ۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام قیام عدل پر بہت زور دیتا ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے:

آپ کہہ دیں میرے رب نے مجھے عدل کرنے کا حکم دیا ہے۔[7]

ایک جگہ فرمایا:

وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ

اور جب تم لوگوں کے مابین فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ کرو۔[8]

ایک جگہ فرمایا کہ مجھے تمھارے درمیان عدل کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔[9]

اسلام کے علاوہ جتنے بھی ادیان اور نظام حیات ہیں ان میں ظلم وجور ہے۔ عدل کا متضاد ظلم ہے۔ اس جور وظلم کو ختم کرنے کے لیے دین اسلام نازل کیا گیا۔

لوگوں کو نظاموں کے ظلم سے خاتمہ دلانا اسلام کا اہم درس ہے جیسا کہ مشہور قول صحابی ہے:

اللہ نے ہمیں اس لیے بھیجا کہ ہم لوگوں کو لوگوں کی بندگی سے نکال کر اللہ کی بندگی میں داخل کریں اور انھیں دنیا کی تنگیوں سے نکال کر اس کی وسعتوں میں لے جائیں اور مختلف نظام ہائے حیات کے مظالم سے نکال کر اسلام کے عدل تک پہنچائیں۔[10]

نیکی نیکی کے لیے اور برائی برائی کے لیے راہ ہموار کرتی ہے۔ اسی طرح عدل عدل کی پشت پناہی کرتا ہے اور ظلم ظلم کو فروغ دیتا ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ روز قیامت ظلم کئی اندھیروں کی صورت میں سامنے آئے گا۔ فرمان نبوی ہے:

اتقو الظلم فان الظلم ظلمات یوم القیامۃ[11]

بعض شارحین اور مفسرین نے یہاں ظلمات سے مراد شدائد لیے ہیں۔

سماجی انصاف کے مختلف پہلو اور فلاح معاشرہ

بہر حال عدل اور ظلم کا دائرہ تو بہت وسیع ہے لیکن یہاں سماجی عدل و انصاف تک محدود رہا جائے گا۔ عدل زندگی کے تمام پہلوؤں پر محیط ہوا کرتا ہے۔ خواہ اس کا تعلق انفرادی زندگی سے ہو یا اجتماعی زندگی سے جیسا کہ پیچھے گزرا۔ انفرادی عدل سے مراد جس کا تعلق انسان کی شخصی زندگی کے ساتھ ہو اور اس کی ذمہ داری انسان پر بطور فرد کے عائد ہو اور اجتماعی عدل سے مراد جس کا تعلق کئی لوگوں کے ساتھ ہو اور اس کی ذمہ داری صاحب اختیار، صاحب حیثیت اور متعلقہ صاحب منصب پر ہو۔

فلاح معاشرہ کے لیے جہاں انفرادی سطح پر عدل کی اہمیت مسلم ہے وہاں اجتماعی سطح پر اس سے کہیں زیادہ ہے۔ فلاح کا تصور مختلف مفکرین کے ہاں مختلف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فلاح معاشرہ کی تعریف میں بھی اہل فکر باہم اختلاف رکھتے ہیں۔ اسلامی نکتہ نظر سے اللہ کی رضا کا حصول ہی اصل فلاح ہے اور قرآن میں ہے: مومن فلاح یافتہ ہے۔ [12] جو اپنا تزکیہ کرلے اللہ کو یاد رکھے اور نماز پڑھے وہ صاحب فلاح ہے۔[13] اسی طرح فرمایا: جس نے تزکیہ نفس کیا وہ فلاح یافتہ ہوا۔[14]

جدید اصطلاح میں معاشرے کے اہم معاملات مثلاً تعلیم، صحت، رہائش اور خوراک وغیرہ میں بہتری فلاح معاشرہ کہلاتی ہے۔ اور ایسی ریاست کو فلاحی ریاست کہا جاتا ہے جس میں یہ تمام معاملات حکومتی ذمہ داری میں ہوں۔ یہاں ہم فلاح کو عمومی معنی میں لے رہے ہیں یعنی افراد معاشرہ کا امن، اطمینان اور سہولت کی زندگی بسر کرنا۔ اس مقصد کے لیے سماجی انصاف لازمی اور ضروری ہے۔ اس کے کئی ایک پہلو ہیں جنھیں ذیل میں بیان کیا جاتا ہے۔

فلاح معاشرہ کے لیے معاشی انصاف، جو کہ سماجی انصاف کا ایک پہلو ہے، کا ہونا ضروری ہے۔ اس سے مراد ایسا طریقہ کار اختیار کرنا جس سے معاشرے کے ہر فرد کو اجتماعی یا قومی دولت سے استفادہ کا موقع

میسر ہو اور معاشرے کی دولت خاص طبقے میں نہ سمٹی رہے بلکہ اس کا متوازن بہاؤ ہو اور معاشرے کے کمزور افراد کو مالی تعاون حاصل ہو۔

اسی طرح معاشرتی حقوق میں برابری بھی سماجی انصاف کا پہلو ہے اور اس میں اولاد کے ساتھ مساوی سلوک کرنا، رعایا کے ساتھ بھلائی اور خیر خواہی کا جذبہ ہونا شامل ہے۔ اسی روزگار اور ترقی کے مواقع یکساں طور پر سب کو حاصل ہوں اور اس سلسلہ میں ان کے مابین تفریق وامتیاز روا نہ رکھا جائے۔ سماجی انصاف کا ایک اہم پہلو یہ بھی کہ آسان اور فوری انصاف کا حصول یقینی بنایا جائے اور انصاف کے حصول کے لیے پاپڑ نہ بیلنے پڑیں اور نہ اسے خریدنا پڑے اور اس سلسلہ میں قانون کو حکمرانی حاصل ہو، صاحب حیثیت یا صاحب ثروت کو نہیں۔ سماجی انصاف کا ایک اور اہم پہلو یہ ہے کہ بدعنوانی کا خاتمہ ہو۔ بدعنوانی اور کرپشن سماجی انصاف کا قتل ہے۔

معاشی انصاف اور اسوۂ حسنہ

اس سے مراد یہ ہے معاشرے میں اقتصادی اور معاشی طور پر عدل ہو اور دولت صرف چند ہاتھوں تک محدود نہ رہے۔ جب دولت کسی طبقے میں محدود ہونا شروع ہو جائے یا کسی جگہ مرتکز ہونے لگے تو یہ معاشی بے انصافی ہے کہ اس کے ہوتے ہوئے معاشرے کا ایک بڑا حصہ اس سے محروم رہے گا۔ معاشی انصاف میں دوسری چیز یہ بھی ہے کہ ہر فرد کے مال کا تحفظ ہو اور ناحق طریقے سے اس کا مال اس کی ملکیت سے نہ نکالا جائے۔ اور تیسری چیز یہ کہ مالی، معاشرتی، جسمانی یا ذہنی طور پر کمزور افراد کو مالی تعاون حاصل ہو۔ ذیل میں شریعت مطہرہ اور سیرت طیبہ سے حاصل ہونے والی رہنمائی ذکر کی جاتی ہے۔

سب سے پہلے تو اس بات کو ناپسند کیا کہ مال جمع کیا جائے اور یہ کہ دولت اکٹھی کرنے کی دوڑ ہو۔ دولت کی محبت ختم کی کہ یہ دولت کی محبت جب آسمانی ہدایات سے ماورا ہو تو بہت ساری ناانصافیوں کو جنم دیتی ہے۔

وَاِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ[15] کہ وہ دولت کی محبت میں بہت سخت واقع ہوا ہے۔

دوسرے عام استعمال کی اشیاء کو جمع کرنا گناہ قرار دیا فرمایا:

لا یحتکر الا خاطئ[16] کہ گناہ گار ہی ذخیرہ اندوزی یا احتکار کرتا ہے۔

قرآن میں ایک جگہ ایسے لوگوں کے لیے ہلاکت کی وعید ہے جو اشیاء ضرورت کو روکتے ہیں۔ وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ[17]

فرامین نبوی میں ایک جگہ ذخیرہ اندوزی کرنے والے کو لعنتی کہا گیا [18] اور ایک جگہ اسے افلاس اور بیماری میں مبتلا ہونے کی وعید سنائی۔[19] البتہ ان روایات کی استنادی حیثیت محل نظر ہے۔

قرآن میں ایک جگہ ہے:

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ[20]

"وہ لوگ جو سونے چاندی کو جمع رکھتے ہیں اور انہیں اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے ہیں انہیں دردناک عذاب کی خوشخبری سنادو۔"

اسلامی ادب میں اس سلسلہ میں احتکار اور اکتناز کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں اگرچہ ان میں فرق ہے تاہم دولت جمع کرنے کا مفہوم ان میں مشترک ہے۔ اگر دولت کسی جگہ مرتکز ہو بھی جائے تو عادلانہ طریقے سے اس کے ارتکاز کو ختم کرنے کی ہدایات دی گئی ہیں اور خاص اہتمام اس بات کا ہے کہ اغنیاء کے درمیان دولت محدود نہ ہو۔ فرمایا:

كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةً بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ[21]

"تاکہ تمہارے اغنیاء کے مابین گھومتی نہ رہے۔"

اس سلسلہ میں اسلام نے مالی ارتکاز کو ختم کرنے کے لیے زکوۃ، وراثت اور صدقات واجبہ کے ساتھ ساتھ انفاق کی بہت ساری صورتوں کو مشروع کیا۔

آج کل غالب معیارات کے مطابق کسی معاشرے کے افراد کی کل دولت افراد معاشرہ کی مالی حیثیت کی عکاسی کرتی ہے اور اوسط دولت کا تعین ہوتا ہے جبکہ حقیقی صورت حال اس سے بہت دور ہوتی ہے۔ کوئی بھی معاشرہ معاشی طور پر اس وقت متوازن کہلائے گا جب آبادی کا زیادہ سے زیادہ حصہ اوسط فردی دولت کے قریب سے قریب تر ہو گا۔ اوسط لائن سے جس قدر انحراف ہو گا اسی قدر وہ معاشرہ معاشی بے انصافی کا شکار ہو گا۔ شریعت میں زکوۃ کے وجوب کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ یہ دولت کو خاص طبقے میں جمع نہیں ہونے دیتی اور مذکورہ انحراف کو کم کرتی ہے اور امیر و غریب کی خلیج کم کرتی ہے۔ فرمایا:

توخذ من اغنياء هم فترد على فقرائهم[22]

"یہ زکوۃ ان کے مال دار لوگوں سے لی جائے گی اور فقراء کو دی جائے گی۔"

تیسری چیز یہ کہ بیماری، کمزوری یا کسی اور وجہ سے اگر بعض لوگ ضروریات زندگی سے محروم ہوں تو انہیں محرومی سے نکالنا بھی لازم ہے۔ایک حدیث کا مفہوم ہے کہ اللہ کی طرف سے کسی معاشرے کے افراد کو جو نعمتیں میسر ہوتی ہیں ان کا سبب یہ کمزور لوگ ہوا کرتے ہیں۔یعنی اگر یہ کمزور لوگ نہ ہوں تو افراد معاشرہ کو بہت سی نعمتیں میسر نہ ہوں۔

اللہ نے صاحب ثروت لوگوں کے مال میں ان تنگ دستوں اور محرومین کا حق رکھ دیا ہے۔فرمایا:

وَفِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّاۗىِٕلِ وَالْمَحْرُوْمِ [23]

"اور ان کے اموال میں مانگنے والوں اور نہ مانگنے والوں (دونوں) کا حق ہے۔"

رسول مکرم ﷺ کی اپنی ساری زندگی کمزوروں، بے سہارا لوگوں، بیواؤں اور یتیموں کی مدد میں گزری۔

حضرت خدیجہؓ کے الفاظ کتنے واضح ہیں:

كَلَّا، أَبْشِرْ فَوَاللَّهِ لاَ يُخْزِيكَ اللَّهُ أَبَدًا، فَوَاللَّهِ إِنَّكَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ، وَتَصْدُقُ الحَدِيثَ، وَتَحْمِلُ الكَلَّ، وَتَكْسِبُ المَعْدُومَ، وَتَقْرِي الضَّيْفَ، وَتُعِينُ عَلَى نَوَائِبِ الحَقِّ [24]

خوش ہو جائیں، اللہ کی قسم! اللہ آپ کو کبھی رسوا نہیں کرے گا، آپ صلہ رحمی کرتے ہیں، آپ سچ بولتے ہیں، بوجھ اٹھاتے ہیں، مفلسوں کا تعاون کرتے ہیں، مہمان نوازی کرتے ہیں اور حق کا ساتھ دیتے ہیں۔

معاشرتی حقوق میں برابری اور اسوۂ حسنہ:

معاشرتی حقوق کئی نوعیت کے ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ معاشرے میں رہتے ہوئے اگر کسی کے ساتھ بے انصافی ہوئی ہو تو وہ مطالبہ انصاف کا حق رکھتا ہے اور یہ حق سب کے لیے برابر ہے۔ایسا نہ ہو تو طاقت ور کا مطالبہ پورا ہو اور کمزور کا مطالبہ رد کر دیا جائے، ایسا لائحہ عمل ہو کہ کمزور مایوس نہ ہو اور زور آور ظلم پر دلیر نہ ہو۔عموماً ایسا ہوتا ہے کہ کسی جرم پر کمزور کو بہت سزا دی جاتی ہے اور اگر وہی جرم کوئی صاحب حیثیت کرے تو اس کے لیے نرم رویہ رکھا جاتا ہے۔رسول اللہ ﷺ نے اس رویے کی سختی سے بیخ کنی کی۔ایک موقع پر فرمایا: سابقہ اقوام اس لیے تباہ ہوئیں کہ جب ان کا کوئی کمزور جرم کرتا تو وہ سزا میں سختی کرتے اور کوئی بڑا جرم کرتا تو نرمی کرتے۔

معاشرے کے تمام افراد معاشرے کا برابر جزو ہیں۔ آپ ﷺ نے رشتہ اخوت کو مضبوط کر کے لوگوں کے معاشرتی حقوق برابر کیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ مومن جسدِ واحد کی طرح ہیں او رکسی ایک جگہ کانٹا چبھے تو تکلیف سے سارا جسم بلبلا اٹھتا ہے۔ قرآن میں ہے:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَیْنَ اَخَوَیْکُمْ[25]

"مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں، اپنے بھائیوں میں صلح کروایا کرو۔"

مواخات مدینہ اسی سلسلہ میں معروف معاملہ ہے جس میں آپ ﷺ نے مہاجرین اور انصار کے مابین رشتہ مواخات قائم کیا۔

اولاد کے مابین، بیویوں کے مابین، بھائیوں کے مابین عدل قائم رکھنے کے لیے آپ ﷺ نے خصوصی ہدایات دیں۔ ایک موقع پر ایک شخص رسول اللہ ﷺ کو اس بات پر گواہ بنانے کے لیے آیا کہ اس نے اپنے بیٹے کو تحفہ دیا، رسول اللہ ﷺ نے پوچھا کیا اپنی تمام اولاد کو یہ تحفہ دیا ہے؟ عرض کیا نہیں، فرمایا: پھر مجھے ظلم پر گواہ نہ بناؤ۔

بیویوں کے مابین عدل کرنا بڑا مشکل معاملہ ہوتا ہے اور اسی قدر یہ احتیاط کا متقاضی ہے۔ اگر کوئی شخص بیویوں کے درمیان عدل نہ کر سکتا ہو یا اسے بے انصافی کا ڈر ہو تو وہ ایک ہی رکھے قرآن میں ہے:

فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً[26]

"لیکن اگر تمہیں یہ اندیشہ ہو کہ ان میں انصاف نہ کر سکو گے تو پھر ایک ہی کافی ہے۔"

ایک موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ جس کے عقد میں دو (۲) عورتیں ہوں اور وہ ان میں عدل نہ کرے تو روز قیامت اس کا ایک پہلو گرا ہوا ہو گا۔[27]

آپ کی زندگی مبارک میں عدل کی یہ قسم بھی کامل واکمل صورت میں ہمیں نظر آتی ہے۔ آپ ﷺ نے اپنی ازواج مطہرات سے بہترین عدل کرتے ہوئے اور ان کے تمام حقوق ادا کرتے ہوئے بے نظیر مثال قائم کی۔

معاشرے کے کمزور طبقات اور کمزور افراد بنیادی ضروریات کا اس طرح حق رکھتے ہیں جیسے دوسرے لوگ خاص طور پر مساکین، یتیم، بیوائیں جن کا عموماً کوئی پرسان حال نہیں ہوتا۔ شریعت ان کمزور لوگوں کے حقوق کو محفوظ کرتی ہے۔ قرآن میں یتیموں کو دھتکارنے والے رویے کو بہت بُرا کہا

ہے، فرمایا: کہ جو روزِ قیامت کو جھٹلاتا ہے وہی یتیموں کو دھتکارتا ہے اور مساکین کو کھلانے میں کوئی ترغیب نہیں رکھتا۔[28]

اس سارے اہتمام کے باوجود اس بات کو خاص طور پر مدِ نظر رکھا گیا کہ انسانیت کی خدمت اصلاً لوجہ اللہ ہو تا کہ اس میں تمام لوگ شریک ہو سکیں۔ جیسا کہ قرآن میں ہے:

وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰي حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا   اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَاۗءً وَّلَا شُكُوْرًا[29]

"وہ اللہ کی محبت میں مساکین، یتیموں اور اسیروں کو کھانا کھلاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم صرف اللہ کی خاطر آپ کو کھلا رہے ہیں اور آپ سے اس کے عوض کسی بدلے اور شکریے کے خواہش مند نہیں ہیں۔"

بنیادی ضروریات کی فراہمی میں دولت خرچ کرنا اتنا پسندیدہ ہے کہ یہ گویا اللہ کو قرض دینا ہے جیسا کہ قرآن میں ہے:

"اِنَّ الْمُصَّدِّقِيْنَ وَالْمُصَّدِّقٰتِ وَاَقْرَضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضٰعَفُ لَهُمْ وَلَهُمْ اَجْرٌ كَرِيْمٌ"[30]

"مردوں اور عورتوں میں سے جو لوگ صدقہ کرنے والے ہیں اور جن لوگوں نے اللہ کو قرض حسنہ دیا، وہ ان کے لئے دُگنا کر دیا جائے گا اور ان کے لئے عمدہ اجر ہو گا۔"

رسول اللہ ﷺ ساری زندگی نبوت ملنے سے پہلے بھی کمزور افراد کی خدمت کے لیے کوشاں رہتے تھے جیسا کہ ابتداءِ وحی کے موقع پر حضرت خدیجہؓ نے آپ ﷺ کے اس عمل کی کس طرح عکاسی کی، فرمایا: "خوش ہو جائیں، اللہ کی قسم! اللہ آپ کو کبھی رسوا نہیں کرے گا، آپ صلہ رحمی کرتے ہیں، آپ سچ بولتے ہیں، بوجھ اٹھاتے ہیں، مفلسوں کا تعاون کرتے ہیں، مہمان نوازی کرتے ہیں اور حق کا ساتھ دیتے ہیں۔۔۔"[31]

فوری انصاف اور اسوۂ حسنہ:

انصاف کے معاملے میں یہ بات بھی اہمیت رکھتی ہے کہ اس کی جلدی سے جلدی اور فوری فراہمی کو یقینی بنایا جائے۔ حق ثابت ہونے کے بعد حق دار کو دینے میں تاخیر کرنا بھی ظلم ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

مطل الغنی ظلم[32]

"غنی کا ٹال مٹول کرنا ظلم ہے۔"

ظلم کا اگر فوری تدارک نہ کیا جائے تو وہ پھلنا پھولنا شروع کر دیتا ہے اور ہر گزرتے وقت کے ساتھ اس کا تدارک مشکل سے مشکل تر ہوتا چلا جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے پاس جب بھی کوئی معاملہ پیش ہوا، آپ ﷺ نے فوری فیصلہ کیا الا کہ اس کے بارے میں ابھی الٰہی ہدایات جاری نہ ہوئی ہوں۔

یہ اللہ کا قانون ضرور ہے کہ وہ ظالم کو ڈھیل دیتا ہے کہ وہ پلٹ آئے اور اللہ کے ہر معاملہ میں حکمت ہوتی ہے۔ صاحب اختیار اور عام مومنوں کی رہنمائی تو اس طرح کی ہے۔

اتق دعوة المظلوم فانه ليس بينه وبين الله حجاب[33]

ظلم کے فوری ازالے کے لیے کئی طرح کی تدابیر اختیار کیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "کہ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے، نہ خود اس پر ظلم کرے اور نہ اسے بے یار و مدد گار چھوڑے۔"

عدل و انصاف کے بول بالا کے لیے ضروری ہے کہ عدل و انصاف کے دروازوں تک عام رسائی ہو۔ آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے بعد خلفاء راشدین کے عمل سے یہ بات ثابت ہے کہ آپ ﷺ مظلوم یا فریادی کی آسان رسائی کو یقینی بناتے تھے۔ آج کل معاشرتی ناہمواری کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ عدالتی نظام اس طرح کا پر پیچ بنا دیا گیا ہے کہ ایوان عدل کے دروازوں تک عوام الناس کی رسائی مشکل ہے۔ عدالت سے انصاف حاصل کرنا عام آدمی کے لیے مشکل ہے۔

فوری انصاف کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی مدِ نظر رکھی جائے کہ اس کی خاطر ایسا نہ ہو کہ ایک فریق کی بات سن کر فیصلہ سنا دیا جائے یا غصہ کی حالت میں فیصلہ کر دیا جائے۔ فرمان نبوی ہے: "کوئی حاکم فریقین کے مابین اس وقت تک فیصلہ نہ کرے جب تک وہ غصہ کی حالت میں ہو۔"[34]

قانون کی حکمرانی اور اسوۂ حسنہ:

سماجی انصاف کے لیے از حد ضروری ہے کہ قانون کی حکمرانی ہو، ایسا نہ ہو کہ قانون کسی کے لیے کچھ ہو اور کسی کے لیے کچھ اور ایسا نہ ہو کہ بعض کے لیے قانون متحرک ہو اور بعض کے لیے حرکت میں نہ آئے، یعنی قانون کی نظر میں ادنیٰ و اعلیٰ برابر ہوں اور وہ سب کے لیے ایک جیسا ہو۔ حق کا ساتھ دیا جانا چاہیے خواہ وہ اپنے خلاف ہو۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ[35]

"اے ایمان والو! اللہ کی خاطر انصاف پر قائم رہتے ہوئے گواہی دیا کرو خواہ وہ گواہی تمہارے اپنے خلاف ہو۔"

آپ ﷺ کی عدالت میں فاطمہ نامی خاتون کے حوالے سے چوری کا کیس آیا۔ ان کے خاندان کے سرکردہ لوگوں کے کہنے پر حضرت اسامہؓ نے رسول اللہ ﷺ سے نرمی کی سفارش کی تو آپ ﷺ بہت غصہ ہوئے اور فرمایا: کہ اگر فاطمہ بنت محمد بھی چوری کرتی تو میں اس کا ہاتھ بھی کاٹ دیتا۔

اس سلسلہ میں خاندان، برادری، نسل، علاقہ، قوم، قبیلہ، کالا، گورا، عربی، عجمی حتیٰ کہ مسلم کافر کا فرق نہیں کیا جائے گا۔ ایک دفعہ ایک مسلمان اور یہودی کے مابین جھگڑا ہو گیا تو آپ ﷺ نے دونوں کی باتیں سن کر ان میں یہودی کے حق میں فیصلہ دیا۔[36]

اسلام قانون کی حکمرانی پر اس قدر زور دیتا ہے کہ اس پر اثر انداز ہونے والے تمام عوامل تعصب، عناد، حسد، رقابت، دشمنی وغیرہ کو خاص طور پر نظر انداز کرنے کی تلقین کرتا ہے۔ قرآن میں ہے:

وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا[37]

"کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس بات پر برانگیختہ نہ کرے کہ تم عدل نہ کرو۔"

ایک اور جگہ فرمایا:

"وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ ؕ اَللّٰهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ"[38]

"مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تمہارے درمیان عدل کروں۔"

یہود و نصاریٰ اگرچہ اہل اسلام اور پیغمبر اسلام کے سخت دشمن تھے لیکن آپ ﷺ نے ہمیشہ عدل کرتے اور حق کا ساتھ دیتے۔ یہی وجہ ہے کہ دشمن اور کافر ہونے کے باوجود وہ آپ ﷺ کو صادق اور امین سمجھتے تھے اور اپنے بعض تنازعات کے فیصلے آپ ﷺ سے کرواتے۔

بدعنوانی کا خاتمہ اور اسوۂ حسنہ:

بدعنوانی کی ہزارہا صورتیں ہیں اور یہ جس بھی صورت میں ہو معاشرے کے لیے تباہ کن ہے۔ بدقسمتی سے آج اس معاشرہ میں بدعنوانی عام ہے۔ اقرباپروری، جعل سازی، حساب میں ہیر پھیر،

ملاوٹ اور کم تول وغیرہ بدعنوانی کی مختلف صورتیں ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ایمان اور تقویٰ کے ذریعہ معاشرے کے اس ناسور کا علاج کیا۔ بدعنوانی دراصل خیانت پیدا کرتی ہے اور خیانت کو منافق کی نشانی قرار دیا، فرمایا: منافق کی تین نشانیاں ہیں۔ جھوٹ بولتا ہے، وعدہ خلافی کرتا ہے اور خیانت کرتا ہے۔

ایک دفعہ ایک شخص ڈھیر لگا کر کھانے والی کوئی چیز بیچ رہا تھا۔ آپ ﷺ نے اس ڈھیر میں اپنا ہاتھ ڈالا تو وہ اندر سے گیلا تھا، پوچھا یہ کیا؟ اس نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ! بارش ہوئی تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تو پھر تم نے اسے اوپر کیوں نہ کیا۔ فراڈ، دھوکہ بدعنوانی کی عام صورتیں ہیں اور ان کی بیخ کنی کرتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا:

من غش فليس منا

"جو دھوکہ دے وہ ہم میں سے نہیں۔"

تقسیم سے قبل مال غنیمت سے کچھ لینا بھی بدعنوانی اور خیانت ہے اور ایسا کرنے والے کی بابت آپ ﷺ نے بہت سخت الفاظ استعمال کیے۔ خیبر سے واپسی پر مدعم نامی غلام کی موت واقع ہوئی، لوگوں نے اس کی موت کو بہت اچھا کہا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تقسیم غنیمت سے پہلے لی ہوئی چھوٹی سی چیز اس پر آگ ہے۔ یہ سن کر ایک اور شخص جوتے کا تسمہ یا تسمے لے آیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: آگ تھی یہ۔[39]

ایک حدیث یہ بھی ہے کہ کوئی مومن دھوکہ کرتا ہے تو وہ دھوکے کے وقت مومن نہیں رہتا۔[40]

بدعنوانی جسے ہم خیانت تو کہہ سکتے ہیں اس قدر بُری چیز ہے کہ خیانت سے حاصل کردہ مال صدقہ کر دیا جائے تو وہ صدقہ بھی قبول نہیں ہوتا۔ فرمان نبوی ہے:

لا يقبل صدقة من غلول[41]

"اللہ خیانت کے صدقے کو قبول نہیں کرتا۔"

خلاصہ بحث:

آج ہماری زندگی میں جو افراتفری، بے چینی، عدم اطمینان ہے اور جس طرح کے مصائب و آلام اور مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے اس کی وجوہ میں سے سب سے بڑی وجہ معاشرتی ناانصافی ہے جس کی وجہ سے صرف اتنا نہیں کہ ترقی اور فلاح کا عمل رک جاتا ہو بلکہ یہ چیز معاشرے کو اضطراب اور

زوال کی طرف دھکیلتی ہے۔اس کا حل سوائے اس کے کچھ نہیں کہ سیرت طیبہ سے رہنمائی لے کر اس پر عمل کیا جائے۔سیرت طیبہ میں واضح نشان عمل موجود ہے جو انسانیت کو اس بھنور سے نکال سکتا ہے۔ اس مقالہ میں اس کو واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

حوالہ جات وحواشی

[1] سورۃ ص، 38:26

[2] فیروز اللغات، ص: 891، فیروز پبلشنگ

[3] تاج العروس: 9/8، مصر

[4] سورۃ ص، 38:26

[5] الرازی، التفسیر الکبیر: 5/509، دار الطباعۃ

[6] www.businessdictionary.com/social-justice visited on 20-03-2017 05:50 am

[7] سورۃ الاعراف 7:29

[8] سورۃ النساء 4:58

[9] سورۃ الشوریٰ 42:15

[10] ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ: 7/39، مطبعہ السعادۃ

[11] مسلم، الصحیح لمسلم، حدیث: 2578

[12] سورۃ المومنون 23:1

[13] سورۃ الاعلیٰ 87:14

[14] سورۃ الشمس 91:9

[15] سورۃ العادیات 100:8

[16] مسلم، الصحیح لمسلم، حدیث: 1605

[17] سورۃ الماعون 107:1-7

[18] السنن لابن ماجہ، التجارات، باب الحکرۃ

[19] السنن لابن ماجہ، حدیث: 2155

[20] سورۃ التوبہ9:34

[21] سورۃالحشر59:7

[22] الصحیح للبخاری، حدیث: 1496

[23] سورۃالذاریات51:19

[24] بخاری، الصحیح للبخاری، حدیث: 4953

[25] سورۃالحجرات49:10

[26] سورۃالنساء4:3

[27] ترمذی، الجامع للترمذی: ۱/۳۶، ابوداؤد، ج ۱

[28] سورۃالماعون107:1-7

[29] سورۃالدھر76: 8-9

[30] سورۃالحدید57:18

[31] مسلم، الصحیح لمسلم، حدیث: 160

[32] مسلم، الصحیح لمسلم، حدیث: 1564

[33] الصحیح للبخاری، حدیث: 1496

[34] الجامع للترمذی، حدیث: 1134

[35] سورۃالنساء4:135

[36] ابن الاثیر: 160/3

[37] سورۃالمائدہ5:8

[38] سورۃالشوریٰ42:15

[39] الصحیح للبخاری، حدیث: 4234

[40] مسلم، الصحیح لمسلم، حدیث: 57

[41] ابن ماجہ، السنن لابن ماجہ، حدیث: 271